خالد علوی
لیکچر شعبہ اسلامیات

آنحضورؐ کی معاشی و معاشرتی زندگی

نبی کریمؐ کی ذاتِ گرامی مسلمانوں کے لیے مکمل نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے، آپ کی ذات میں وہ تمام اوصاف جمع ہیں جو کسی گوشۂ زندگی میں مطلوب ہو سکتے ہیں۔ آپ کی عبادت، آپ کے اخلاق، آپ کی جنگیں، آپ کی مساعیٔ امن، آپ کی انفرادی زندگی اور آپ کی اجتماعی زندگی۔ مختصر یہ کہ حیاتِ طیّبہ کا ہر پہلو ایک مثال ہے۔ خالقِ کائنات نے فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ[1] بلاشبہ نبیؐ کی ذات میں تمہارے لیے عمدہ نمونہ ہے۔

اس وقت اُس نمونۂ کامل کی زندگی کے معاشی و معاشرتی پہلو کا ایک مختصر تعارف پیش کرنا ہے۔ حیاتِ مبارکہ کے اِس پہلو سے متعلق چند واقعات معلوم ہو جائیں تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ ایک رہنما کی حیثیت میں آپ نے اپنی معاشی و معاشرتی زندگی کو کس طرح منظّم کیا۔ اس مطالعہ سے دیگر بیشمار فوائد کے ساتھ ایک یہ فائدہ بھی ہو گا کہ ہمیں اپنی معاشی و معاشرتی زندگی کو اُسوہ رسُول کی روشنی میں دیکھنے کا موقع ملے گا اور ہم یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ ہماری زندگی اُس نمونے کے مطابق کس طرح مستحکم ہو سکتی ہے۔ ایک عام کارکن سے لیکر ایک رہنما تک یہ محسوس کرے گا کہ اس ذاتِ گرامی نے کیا معیاری انسانی نمونہ عمل پیش کیا ہے۔

معاشی زندگی | معاشی زندگی دراصل اس جدوجہد کا نام ہے جو جدید اصطلاح کے مطابق انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے دولت کمانے اور اسے خرچ کرنے سے متعلق ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حضورؐ کی زندگی کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ قبل از نبوّت،

۲۔ بعد از نبوت۔ مکّی زندگی

۳۔ 〃 〃 مدنی زندگی

تاریخ وسیرت کی کتابوں میں آپ کی معاشی زندگی پر بہت کم مواد ملتا ہے۔ تاہم جو اشارات ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے زمانہ قبل از نبوّت میں شغلِ تجارت اختیار فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ نے جب آپ کو اپنا مال تجارت

[1] الاحزاب: ۲۱

کے لیے دیا۔ اس وقت آپ بحیثیت تاجر اپنی شخصیت کو منوا چکے تھے[۲]۔ آپ نے شراکت پر بھی کاروبار کیا[۳]۔ اور اپنے مثالی کردار کے انمٹ اثرات چھوڑے ہیں جس شخص نے بھی آپ سے معاملہ کیا وہ آپ کی عظیم شخصیت کا گرویدہ ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی الحمساء کی شہادت بطورِ مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

عن عبد اللہ بن ابی الحمساء قال بایعت النبیؐ قبل ان یبعث وبقیت له بقیة فوعدته ان اتیه بها فی مکانه فنسیت فذکرت بعد ثلاث فاذا هو فی مکانه فقال لقد شققت علیّ انا ههنا منذ ثلاث انتظرک[۴]

حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے مَیں نے آنحضرتؐ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا۔ مَیں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرتؐ کو اسی جگہ منتظر پایا لیکن اس خلافِ وعدہ سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی مَیں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

قیسؓ بن سائب آپ کے حسن معاملہ کی گواہی دیتے ہیں[۵]۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ خدیجہؓ سے ازدواجی تعلق نے آپ کی معاشی زندگی کو تقویت دی۔ حضرت خدیجہؓ چونکہ ایک متمول خاتون تھیں[۶]۔ اس لیے آپ کی معاشی حیثیت مستحکم ہو گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ خدیجہؓ کا سرمایہ محض معاشی تقویت کی بجائے دعوت و نشرِ اسلام کے لیے صرف ہوا۔ کیونکہ اس دور کی مصروفیات کے بارے میں پتہ چلتا ہے جیسا کہ طبری نے لکھا ہے کہ جب نزولِ وحی پر آپ گھبراتے تو خدیجہؓ نے تسلّی دی[۷]۔ اس تسلّی میں فقیروں کی دستگیری، اور بیواؤں کی خدمت کا ذکر بہت نمایاں ہے۔ جناب ابوطالب کے ایک شعر میں بھی اس صفت کا ذکر ہے ؎

وَاَبْیَضَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ

---

[۲] روض الانف، ج ۱ ص ۱۱۱۔ ابن سعد، ج ۱ ص ۱۳۵۔ مواہب لدنیہ، ج ۱ ص ۱۹۷، ۱۹۸۔ [۳] ایضاً

[۴] سُنَنِ ابی داؤد، ج ۴۔ کتاب الادب، باب فی الوعد، ص ۱۰۴۔

[۵] ایضاً، باب فی کراہیۃ المراء ص ۱۱۱۔ الاصابہ، ج ۵ ص ۳۵۳، ترجمہ قیس بن سائب [۶] ابن سعد، ج ۱ ص ۱۳۰۔

[۷] طبری، ج ۲، ص ۴۷۔

بعد از نبوت مکی زندگی | قبل از نبوت کی معاشی جد و جہد کا کچھ سُراغ ملتا ہے لیکن بعد از نبوت کی معاشی سرگرمیوں کا کچھ زیادہ پتہ نہیں چلتا۔ اعلانِ نبوت کے بعد دراصل آپ کی حیثیت ہمہ وقتی کارکن کی تھی جس نے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ دن رات یہی خیال رہتا تھا کہ کسی طرح لوگ خدائے واحد کی طرف آ جائیں۔ ایسی ہمہ وقتی کام کے باعث ابتدائی برسوں میں وہ پونجی کام آتی رہی جو آپ نے بذریعہ تجارت اکٹھی کی تھی یا حضرت خدیجہؓ کی ملکیت تھی۔ مکی زندگی کے آخری ایام بڑی عسرت کے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فقر و فاقہ کو برداشت کیا لیکن کسی شخص پر بوجھ نہیں بنے۔ میرا اندازہ ہے کہ آپ کے قریبی احباب نے کچھ اعانت کا اہتمام کیا ہوگا کیونکہ ابوبکرؓ کے فضائل میں ایک حدیث آتی ہے جس میں مالی اعانت کا اشارہ ملتا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لاحدٍ عندنا یدٌ الّا وقد کافیناہ ما خلا ابابکر فان لہ عندنا یداً یکافئہ اللہ بھا یوم القیامۃ وما نفعنی مال احدٍ قط ما نفعنی مال ابی بکر ولو کنت متخذاً خلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً الا وان صاحبکم خلیل اللہ[55]

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جس کسی نے ہم پر احسان کیا ہے ہم نے اس کا بدلہ پورا کر دیا ہے سوائے ابوبکر کے کہ ان کا مجھ پر احسان باقی ہے جس کا بدلہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اور کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے دیا اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا سن لو کہ تمہارا ساتھی اللہ کا خلیل ہے۔

امام بخاریؒ نے مناقب ابی بکر میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

انّ اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت و قال ابوبکر صدق وواسانی بنفسہ و مالہ فھل انتم تارکوالی صاحبی مرتین فما اوذی بعدھا[56]۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا لیکن تم نے مجھ کو جھوٹا کہا اور ابوبکرؓ نے سچا کہا اور اپنے مال اور جان سے میری خدمت کی، تم میرے دوست کا ستانا چھوڑتے ہو یا نہیں۔ آپ کے اس فرمان کے بعد ابوبکرؓ کو کسی نے نہیں ستایا۔

عقادؔ نے عبقریۃ الصدیق میں حضورؐ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے:

ما احد عندی اعظم یداً من ابی بکر واسانی بنفسہ ومالہ وانکحنی ابنتہ[57]

کسی آدمی کا مجھ پر ابوبکر سے زیادہ احسان نہیں۔ انہوں نے اپنے مال و جان سے میری مدد کی اور اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دیا۔

---

[55] جامع ترمذی باب مناقب ابی بکر ج ۲ ص ۲۹۲، ابن ماجہ ج ا ص ۳۶۱ باب فضائل اصحاب رسول اللہ [57] العبقریات الاسلامیۃ الصدیق صفحہ ۴۴

نبیؐ اور آپؐ کے دیگر رفقاء کے لیے یہ وقت بہت کٹھن تھا کیونکہ ایک طرف مشرکین مکّہ نے معاشرتی مقاطعہ کر رکھا تھا[11] دوسری طرف جسمانی اذیّتوں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ ان اذیتوں کا نقطۂ عروج حضرت سمیہؓ کی شہادت ہے[12]۔ اِن حالات میں کسی تجارت، کسی کاروبار یا کسی معاشی جدوجہد کا جاری رہنا ویسے بھی ممکن نظر نہیں آتا، پھر ایک ہمہ وقتی کارکن کے لیے، جبکہ وہ ایک گروہ کو ساتھ لیکر چل رہا ہو، اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ابتدائی دور کی مصروفیات میں لوگوں کے ساتھ معاشی تعاون کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح بعض واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ غلّہ کا کاروبار کرتے تھے اور تر حضرت خدیجہؓ کے مال پر گزر نہیں تھا لیکن بالتصریح معاشی جدوجہد کی تفصیلات مہیا نہیں ہیں۔

مدنی دور :- مدنی دور کے متعلق صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ آپ نے ذاتی دولت اور حضرت خدیجہؓ کے مال کو تو نبوت کے ابتدائی دس گیارہ برسوں میں صرف کر دیا تھا اور تبلیغِ دین و اشاعتِ اسلام اور استحکامِ ملّت کی مصروفیتوں نے ذاتی کاروبار اور انفرادی معاشی جدوجہد کے امکانات تقریبًا معدوم کر دیئے تھے اس لیے مدینہ کی ابتدائی زندگی بڑی عُسرت کی تھی۔ آنحضورؐ کے معاشی حالات کا نقشہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ میں اپنے استدلال کے لیے چند احادیث درج کرتا ہوں۔ یہ تمام احادیث امّ المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں جو خانۂ نبوت کی اہم رکن ہیں۔

عن عائشۃ قالت ماشبع آل محمد منذ قدم المدینۃ من طعام بر ثلاث لیال تباعاً حتی قبض۔[13]	عائشہؓ فرماتی ہیں کہ محمدؐ جب سے مدینہ آئے ہیں آل محمدؐ نے سیر ہو کر متواتر تین راتیں گندم کا کھانا نہیں کھایا حتی کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔
عن عائشۃ قالت ما اکل آل محمد اکلتین فی یوم الا احدھما تمر۔[14]	عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آلِ محمدؐ نے ایک دن بھی دو وقت کبھی نہیں کھایا الّا یہ کہ ایک وقت کھجوریں استعمال ہوتی ہیں۔
عن عائشۃ قالت کان یاتی علینا الشھر ما نوقد فیہ ناراً انما ھو التمر والماء الا ان نوتی باللحیم۔[15]	عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم پر ایسے ماہ بھی گذرے کہ ہم نے اس میں آگ تک نہ جلائی، صرف کھجوریں اور پانی ہی پر گذر ہوتی سوائے اس کے کہ ہمیں گوشت مہیا ہوتا۔
عن عائشۃ قالت لعروۃ ابن اختی ان کنا	عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بھانجے عروہ سے

---

[11] ابن سعد ج ۱ ص ۲۰۸ [12] ابن ہشام ج ۱ ص ۳۴۲ [13] بخاری، ج ۴ ص ۸۷ کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبیؐ۔
[14] ایضاً [15] ایضاً

لننظر الى الهلال ثلاثة اهلة فی شهرین و ما اوقدت فی ابیات رسول اللہ نار فقلت ماکان یعیشکم قالت الاسودان التمر والماء الا انہ قد کان لرسول اللہ جیران من الانصار کان لھم منائح وکانوا یمنحون رسول اللہ من ابیاتھم فیسقیناہ۔[۱۶]

کہا میرے بھانجے ہم لوگ دو مہینوں میں تین چاند دیکھتے تھے اور رسول اللہ کے گھروں میں آگ نہیں سلگتی تھی۔ عروہ نے کہا میں نے پوچھا پھر زندگی کس طرح گذرتی تھی؟ انہوں نے کہا کھجوروں اور پانی سے مگر یہ کہ رسول اللہ کے چند انصاری پڑوسی تھے جو رسول اللہ کو دودھ (ہدیۃً) بھیجا کرتے تھے اور آپ وہ ہم لوگوں کو پلا دیتے تھے۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ ہدیۃً کچھ پیش کرتے تھے کیونکہ آپ نے صدقہ تو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے حرام کر رکھا تھا۔[۱۷] ہدایا کے بارے میں آپ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ہدیہ دینے والے کو ویسا یا اُس سے بہتر لوٹانا چاہیے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

تہادوا فان الھدیۃ تذھب الضغائن[۱۸] باہم ایک دوسرے کو ہدیے بھیجو کیونکہ یہ دلوں کے بغض کو گنواتا ہے

ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی۔ آپ نے اس کا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا، آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطابِ عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور مَیں بقدرِ استطاعت اس کا صلہ دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو۔ آئندہ قریش، انصار، ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلے کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔[۱۹] اس لیے ہدایا کو مستقل معاشی سہولت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ مدنی زندگی میں بعض ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے کچھ خریدا یا قرض لیا وغیرہ۔ انہیں معاشی زندگی کا جز قرار دیا جا سکتا ہے لیکن مستقل کاروبار کی شکل واضح نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر فروکش ہوا تھا، ایک سُرخ رنگ کا اُونٹ ان کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً آپ ادھر سے گزرے تو آپؐ نے اونٹ کی قیمت پوچھی۔ لوگوں نے قیمت بتائی۔ بے مول تول کیے آنحضرتؐ نے وہی قیمت منظور کر لی اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعد میں لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہم نے جانور کیوں حوالے کر دیا۔ سب پشیمان تھے۔ قافلے کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی۔ اس نے کہا مطمئن رہو۔ ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہیں دیکھا یعنی ایسا شخص دغا نہیں کرے گا۔ رات ہوئی تو آپؐ نے ان کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوا دیں۔[۲۰] آپ

---

[۱۶] ایضاً [۱۷] بخاری کتاب الصدقہ باب ما ذکر فی صدقۃ النبیؐ ص ۵۵ [۱۸] مشکوٰۃ المصابیح، باب العطایا ص ۲۶۱ [۱۹] ادب المفرد ص
[۲۰] دار قطنی، ج ۲ ص ۳۰۸ کتاب البیوع۔

کی مستقل معاشی سرگرمیوں کی تفصیل تک کم از کم مجھے رسائی حاصل نہیں ہو سکی۔ البتہ یہ موضوع ایسا ہے کہ اس کے لیے زیادہ تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہے۔ مدنی زندگی کے ابتدائی دور کے بعد آپؐ کی معیشت کا انحصار ان فتوح پر تھا جو اللہ تعالیٰ آپ کو عطا کرتا تھا جب اسلامی حکومت کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کو حکمران اور شریک جنگ کی حیثیت سے مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا۔ قرآنِ کریم نے مالِ غنیمت اور مالِ فے کے سلسلے میں واضح احکامات دیئے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[۲۱]	اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے، اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی (تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"یہاں اس مالِ غنیمت کی تقسیم کا قانون بتایا گیا ہے جس کے متعلق تقریر کی ابتدا میں کہا گیا تھا۔ یہ اللہ کا انعام ہے جس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول ہی کو حاصل ہے۔ اب وہ فیصلہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑائی کے بعد تمام سپاہی ہر طرح کا مالِ غنیمت لا کر امیر یا امام کے سامنے رکھ دیں اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھیں۔ پھر اس مال سے پانچواں حصہ ان اغراض کے لیے نکال لیا جائے جو آیت میں بیان ہوئی ہیں اور باقی چار حصے ان سب لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا ہو۔ چنانچہ اس آیت کے مطابق نبی ہمیشہ لڑائی کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے[۲۲]

ان هذه غنائمكم وانه ليس لي فيها الا نصيبي معكم الخمس والخمس مردود عليكم فادوا الخيط والمخيط واكبر من ذالك	یہ غنائم تمہارے ہی لیے ہیں، میری اپنی ذات کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے لہٰذا ایک سوئی

۲۱؎ الانفال ص ۴۱ ۲۲؎ تفہیم القرآن، ج ۲ ص ۱۴۵

واصغر ولا تغلوا فان الغلول عار ونار[۲۳]۔ اور ایک ایک تاگا تک لاکر رکھ دو۔ کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے

قرآن نے مالِ غنیمت کو انفال کا نام دیا اور یہ جنگ کے سلسلے میں ایک بڑی انتظامی اصطلاح بھی تھی۔ قدیم زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جو مال جس کے ہاتھ لگا وہی اس کا مالک قرار پاتا یا پھر بادشاہ یا سپہ سالار تمام غنائم پر قابض ہو جاتا۔ پہلی صورت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فتحیاب فوجوں کے درمیان اموالِ غنیمت پر سخت تنافس برپا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات ان کی خانہ جنگی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتی۔ دوسری صورت میں سپاہیوں کو چوری کا عارضہ لگ جاتا تھا اور وہ غنائم کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن نے انفال کو اللہ و رسول کا مال قرار دے کر پہلے تو یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ تمام مالِ غنیمت لاکر بلا کم و کاست امام کے سامنے رکھ دیا جائے اور ایک سوئی تک چھپا کر نہ رکھی جائے۔ پھر آگے چل کر اس مال کی تقسیم کا قانون بنا دیا کہ پانچواں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کے لیے بیت المال میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اِس پُوری فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو اس طرح وہ دونوں خرابیاں دُور ہو گئیں جو جاہلیت کے طریقہ میں تھیں[۲۴]۔ "اِس تقسیم میں اللہ و رسول کا حصہ ایک ہی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ خمس کا ایک جز اعلاء کلمۃ اللہ اور اقامتِ دینِ حق کے کام میں صرف کیا جائے۔

رشتہ داروں سے مراد نبی کی زندگی میں تو حضورؐ ہی کے رشتہ دار تھے، کیونکہ جب اپنا سارا وقت دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور اپنی معاش کے لیے کوئی کام کرنا آپ کے لیے ممکن نہ رہا تھا تو لامحالہ اس کا انتظام ہونا چاہیے تھا کہ آپ کی اور آپ کے اہل و عیال اور ان دوسرے اقرباء کی جن کی کفالت آپ کے ذمہ تھی، ضروریات پوری ہوں اس لیے خمس میں آپ کے اقرباء کا حصہ رکھا گیا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد ذوی القربیٰ کا یہ حصہ کس کو پہنچتا ہے؟ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبیؐ کے بعد یہ حصہ منسوخ ہو گیا۔ دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ حضورؐ کے بعد یہ حصہ اُس شخص کے اقرباء کو پہنچے گا جو حضورؐ کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے۔ تیسرے گروہ کے نزدیک یہ حصہ خاندانِ نبوت کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔ جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں خلفاء راشدین کے زمانہ میں اسی تیسری رائے پر عمل ہوتا تھا[۲۵]۔

صاحبِ المنار لکھتے ہیں :

۲۳۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجہاد، باب قسمۃ الغنائم ص ۳۵۱ ۲۴۔ تفہیم القرآن، ج ۲ ص ۱۳۱ ۲۵۔ ایضاً ص ۱۴۶

فجعل الله الخمس لرسول الله لانه عليه السلام مشغول بامر الناس لا ينفرغ ان يكتسب لاهله فوجب ان تكون نفقته فی مال المسلمين، ولان النصرة حصلت بدعوة النبیؐ والرعب الذی اعطاه الله اياه فكان كحاضر الوقعة ولذوی القربی لانهم اكثر الناس حمية للاسلام حيث اجتمع فيهم الحمية الدينية الی الحمية النسبية فانه لا فخر لهم الا بعلو دين محمد لان فی ذالك تنويها باهل بيت النبی وتلك مصلحة راجعة الی الملة[26]

خمس رسول اللہ کے لیے ہے کیونکہ آپؐ لوگوں کے معاملات میں مصروف رہتے ہیں اور آپ کو اپنے اہل و عیال کے لیے معاشی جدوجہد کی فرصت نہیں۔ پس یہ ضروری ہوا کہ مسلمانوں کے مال میں ان کا خرچ نکلے۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ یہ نصرت حضورؐ کی دعوت اور اس رعب کی بدولت ہے جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے سو ان کی حیثیت موجود فرد کی ہے۔ اور آپ کے رشتہ داروں کے لیے، کیونکہ ان میں حمیتِ اسلامی کا جذبہ سب سے زیادہ ہے کیونکہ حمیتِ دینیہ اور حمیتِ نسبیہ جمع ہوگئی ہیں سو انہیں دینِ محمدؐ کی سربلندی کے سوا کسی چیز پر فخر نہیں۔ چونکہ اس میں اہلِ بیتِ نبیؐ کی عزت افزائی ہے اور یہ مصلحتِ ملت کی طرف راجع ہے۔

حافظ ابن کثیر سورۂ حشر کی آیت[27] کے ضمن میں لکھتے ہیں:

فهذه مصارف الفیئ ووجوهه قال الامام احمد ... عن عمرؓ قال كانت اموال بنی النضير مما افاء الله علی رسوله مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب فكانت لرسول الله خالصة فكان ينفق علی اهلها منها نفقة سنته، وقال مرة قوت سنته وما بقی جعله فی الكراع والسلاح فی سبيل الله عزّ وجل[28]

یہ ہے فے کے مال کا مصرف اور اس کے خرچ کا حکم۔ امام احمدؒ نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ بنی نضیر کا مال جو بطور فے اللہ نے اپنے رسول کو دلوایا جس پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے نہ تھے یہ خالصۃً رسول اللہ کے لیے تھا۔ آپ اس میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچ دیتے تھے اور جو بچ رہتا تھا اسے جہاد کے لیے آلاتِ جنگ اور سامانِ حرب میں صرف کرتے تھے۔

قرآنِ پاک نے فے کی تعریف خود کردی ہے[29]۔ غنیمت اور فے کے فرق پر صاحبِ المنار لکھتے ہیں:

---

[26] المنار، ج ۱۰ ص ۱۲ [27] الحشر ۷ [28] ابن کثیر، ج ۴ ص ۳۳۵ [29] الحشر ۶

ثم الغنيمة انما تحصل بمعاناة وايجاف خيل وركاب فلا تطيب قلوبهم الا بان يُعطوا منها والنواميس الكلية المضروبة على كافة الناس لابد فيها من النظر الى حال عامة الناس ومن ضم الرغبة الطبيعية الى الرغبة العقلية ولا يرغبون الا بان يكون هناك ما يجدونه بالقتال فلذلك اربعة اخماسها للغانمين۔ والفئ انما يحصل بالرعب دون مباشرة القتال فلا يجب ان يصرف على ناس مخصوصين فكان حقه ان يقدم فيه الاهم فالاهم[۱۳۰]۔

پھر غنیمت سو وہ صرف جدوجہد اور اونٹ گھوڑے دوڑانے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ ان کے دل اس کے سوا کسی چیز سے خوش نہیں ہونگے کہ انہیں اس سے حصہ دیا جائے۔ اور جو اصول تمام لوگوں کے لیے بنائے جاتے ہیں ان میں عام لوگوں کے حالات کو پیشِ نظر رکھنا اور طبعی خواہش کو عقلی خواہش کے ساتھ ملانا ضروری ہوتا ہے۔ عوام کو قتال کی طرف رغبت نہیں ہوتی جب تک انہیں قتال سے کچھ حاصل نہ ہو۔ اس لیے چار حصے شریکِ جنگ لوگوں کے لیے مخصوص قرار دیئے۔ اور مالِ فے تو صرف رعب سے حاصل ہوتا ہے اور قتال تک نوبت نہیں آتی اس لیے اسے مخصوص افراد پر خرچ کرنا ضروری نہیں۔ اس میں مناسب یہ ہے کہ اہمیت کی بنا پر تقدم حاصل ہو۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

وفرقوا بينهما قالوا الفئ ما حصل من الكفار بلا قتال وايجاف خيل وركاب كجزية وعشر تجارة، وما صولحوا عليه من غير نحو قتال وما جلوا عنه خوفاً قبل تقابل الجيش .... والغنيمة ما حصل من كفار اصليين حربيين بقتال، وفي حكمه تقابل الجيشين[۱۳۱]۔

اور علماء نے ان کے درمیان فرق کرتے ہوئے کہا ہے: فے وہ ہے جو کفار سے جنگ کیے اور اونٹ گھوڑے دوڑائے بغیر حاصل ہو جیسے جزیہ، عشر، تجارت، جنگ کے بغیر صلح کے ذریعے حاصل ہو اور وہ مال جو ان لوگوں سے حاصل ہو جو فوجوں کے مقابل ہونے سے پہلے خوفزدہ ہو کر نکل گئے ہوں۔ ... غنیمت وہ ہے جو حقیقی حربی کافروں سے جنگ کے بعد حاصل ہو اور اس کے لیے فوجوں کا مقابلہ ضروری ہے

۱۳۰ے المنار، ج ۱ ص ۱۵۔

۱۳۱ے روح المعانی، ج ۲۸، ص ۴۶۔

مالِ فئے میں خمس نہیں جبکہ مالِ غنیمت میں خمس ہے[۳۲]۔ آپ کو مالِ غنیمت اور مالِ فئے میں سے حصّہ ملتا تھا۔ آپ کو خیبر اور فدک کے مالِ غنیمت میں سے حصّہ ملا[۳۳]۔ اسی طرح بنو نضیر کے مالِ فئے آپ کے تصرّف میں آیا[۳۴]۔ لیکن ان دو ذرائع آمدنی کے متعلق بھی آپ کا طرزِ عمل عجیب تھا۔ وہ سب کچھ مستحق لوگوں میں خرچ کرتے بلکہ آپ کی حیثیت ایک نمائندہ کی تھی جو مسلمانوں کی امانت پر متصرف تھا۔ آپ نے فرمایا:

ان اللہ اذا اطعم نبیا طعمۃ فھی للذی یقوم من بعدہ[۳۵]۔

اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو معاشی تسکین کا سامان مہیا کرتا ہے تو وہ ان کے بعد اس کے سپرد ہوتا ہے جو ان کا قائم مقام ہوتا ہے۔

عن عمرؓ انہ قال: کانت لرسول اللہ ثلاث صفایا: بنو النضیر وخیبر وفدک۔ فاما بنو النضیر فکانت حبسا لنوائبہ، واما فدک لابناء السبیل واما خیبر فجزاھا رسول اللہ ثلاثۃ اجزاء: جزئین بین المسلمین وجزء نفقۃ اھلہ، فما فضل عن نفقۃ اھلہ جعلہ بین فقراء المھاجرین[۳۶]۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ آنحضرتؐ کے لیے تین صفایا تھے بنو نضیر، خیبر اور فدک۔ سو بنو نضیر یعنی جو مال کہ ان کی زمین سے حاصل ہوتا تھا وہ آنحضرتؐ کی ضرورت کے لیے مقرر تھا (جیسے مہمانوں کی ضیافت اور مجاہدوں کے ہتھیار و سواری وغیرہ) اور جو فدک سے حاصل ہوتا وہ محتاج مسافروں کے لیے تھا اور خیبر کے مال کو آنحضرتؐ نے تین حصّوں میں تقسیم کیا تھا دو حصّے تو مسلمانوں کے لیے اور ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لیے۔ جو آپ کے اہل کے خرچ سے بچتا سو اسے فقراء مہاجرین پر خرچ کرتے۔

مطلق مال و دولت میں آپ کی رائے یہ تھی کہ یہ محبوب رکھنے کی شے نہیں[۳۷]۔ آپ نے کبھی جمع کرنے کی خواہش نہیں کی۔ ہمیشہ مال کو لٹایا آپ کا ایک مشہور ارشاد ہے:

---

۳۲ ایضاً، احکام القرآن لابن العربی، ج ۲ ص ۲۲۴ ۳۳ طبری نے لکھا ہے فکانت خیبر فیئاً للمسلمین وکانت فدک خالصۃ لرسول اللہ ج ۲ ص ۳۰۲، مشکوٰۃ المصابیح باب قسمۃ الغنائم ص ۳۴۹ ۳۴ ابن کثیر ج ۴ ص ۳۳۵، روح المعانی ج ۲۸ ص ۴۴، مشکوٰۃ المصابیح، باب الفئ ص ۳۵۶، بخاری ج ۳ باب غزوہ خیبر ص ۳۹ ۔ ۳۵ ابوداؤد، ج ۳ ص ۱۹۸ ۔

۳۶ ابوداؤد، ج ۳ ص ۱۹۵، باب صفایا رسول اللہ من الاموال، کتاب الخراج والامارہ والفئ ۔

۳۷ بخاری باب ماجاء فی الرقاق وان لاعیش الاعیش الآخرہ، ج ۸ ص ۱۰۹۔

نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ [۳۷] — ہم گروہ انبیاء ہیں، ہمارا ورثہ نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

آیت غنیمت کے تحت تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ نبیؐ اسے اقربا اور دیگر حاجتمندوں پر زیادہ خرچ کرتے تھے اور اپنی ذات پر کم۔ معاشی زندگی کے ان تینوں ادوار کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضورؐ نے آغاز کار میں خود جدو جہد کی پھر ہمہ وقت پیغمبرانہ زندگی میں بھی کسی کے دست نگر نہیں ہوتے۔ آپ نے معیاری بے نیازی کو برقرار رکھا۔

مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [۳۸] — اور میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العلمین پر ہے۔

آپؐ کی معاشی زندگی کے مطالعہ سے دو اہم امور واضح ہوتے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ مومن کو پوری جدوجہد کرنی چاہیے اور اسے کسی کا محتاج نہیں ہونا چاہیے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ جب ہمہ وقتی کام ہو تو اجتماعیت کو کارکن کی معاشی احتیاجات کو پورا کرنے کا انتظام کرنا چاہیے تاکہ وہ ان پریشانیوں میں نہ پڑے۔

لیکن داعی کو حتی الامکان اپنی عزتِ نفس کو محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ کوئی انگشت نمائی نہ کر سکے۔ اسے فیاض ہونا چاہیے کہ اس کا طرزِ عمل معاشرے سے بخل کو ختم کر دے۔ اسے قناعت اور توکل کی صفاتِ کاملہ سے متصف ہونا چاہیے تاکہ کسی لمحے اس کے پائے ثبات میں تزلزل نہ آئے ــــ پیغمبرؐ کی سیرت سے ثابت ہوتا ہے کہ عزم و ہمت اور توکل و قناعت دراصل ایسی صفات ہیں جن سے ہماری پوری زندگی منور ہو سکتی ہے۔

معاشرتی زندگی | معاشرتی زندگی میں اصل مسئلہ تو انسان کا وہ طرزِ عمل ہے جو اپنے گھر، اقربا، ہمسائے اور عام انسانی آبادی سے روا رکھتا ہے۔ معاشرتی دائرے میں بالعموم انسانی عظمت، مرد و عورت کے تعلقات، والدین کے حقوق، اولاد کی تربیت، ہمسایوں سے حسنِ سلوک، عام انسانوں سے بہتر رویہ اور عام سماجی رابطہ، زیرِ بحث آتے ہیں۔ انسان ان تمام مسائل میں ٹھوکریں کھاتا رہا ہے اور اب بھی غلط رویوں کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ غلام و آقا کی تمیز، رنگ و نسل کا امتیاز، شریف و کمین کا مصنوعی فرق ہر دور میں ایک اہم معاشرتی مسئلہ رہا ہے۔ اس وقت ان تمام پہلوؤں کا احصاء مقصود نہیں، سرِدست دو امور زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔

۳۷؎ بخاری، باب غزوۂ خیبر، ج ۳ ص ۳۹ ۳۸؎ الشعراء: ۱۴۵

عظمتِ انسان | حضوؐر کی تشریف کے وقت انسانیت نسلی، لسانی اور مفاداتی گروہوں میں تقسیم تھی۔ اشرافِ قریش، مذہبی، قومی اور معاشی بنیادوں پر قابلِ عزت تھے۔ غلاموں اور کمزور لوگوں کی زندگی ان کے رحم و کرم پر تھی۔ ایسے میں پیغمبرؐ انسانیت نے مساواتِ انسانی کا نعرہ بلند کیا اور جھوٹے وقار اور غلط پندار کو توڑ کر رکھ دیا۔ حضوؐر نے قرآن کے ارشادات کی روشنی میں مساوی تصور کا درس دیا۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ [۳۹]

اور ہم نے تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار رہو گا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ [۴۰]

اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا کیں

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ [۴۱]

ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ [۴۲]

اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اُس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔

خطبۂ حجۃ الاسلام کے موقع پر آپؐ نے فرمایا [۴۳]

لا فضل لعربي على عجمي ولا لاحمر على اسود الا بالتقوى [۴۴]

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی گورے کو کالے پر سوائے تقویٰ کے۔

یا معشر قریش ان اللہ قد اذهب عنكم

اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور

---

۳۹ الحجرات: ۱۳ ۴۰ بنی اسرائیل: ۷۰ ۴۱ التین: ۴ ۴۲ النساء: ۱

۴۳ حضرت ابن عباس اسے حجۃ الوداع کہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ ابن سعد ج ۲ ص ۱۸۸

۴۴

نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من آدم و آدم من تراب[45]

آباء پر فخر کرنے کو دور کر دیا۔ لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے۔

آپ ؐ نے اپنے متعلق بڑی صاف گوئی سے فرمایا:

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم فانما انا عبد اللہ ورسولہ[46]

میری تعریف میں اسی طرح کا غلو نہ کرنا جس طرح کا غلو حضرت عیسیٰ کی تعریف میں نصاریٰ نے کیا کیونکہ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا:

من سرّہ ان یتمثل له الرجال قیاماً فلیتبوّأ مقعدہ من النار[47]

جسے اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ لوگ اس کے احترام میں کھڑے ہو جائیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

بلال حبشی، سلمان فارسی اور صہیب رومی کو معاشرے میں مساوی درجہ پر رکھنا اور اپنے ساتھ ملانا ایک ایسا انقلابی اقدام تھا جس کی پیروی کے لیے آج بھی انسان محتاج ہے۔ مندرجہ بالا حقائق سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ نبی ؐ نے انسانوں کو انسانی حقوق و معاشرتی مراتب کے اعتبار سے مساوی قرار دیا۔ کوئی شخص خاندانی اور نسلی فخر کی بنیاد پر ترجیحی سلوک کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ ایک انسان اپنی صلاحیتوں کی بنا پر قابلِ قدر ہے لیکن ایسی رعایت کسی شخص کو بھی نہیں مل سکے گی جو بنیادی انسانی شرف کو مجروح کرے۔ اس وقت کی کافرانہ قیادت کو حضورؐ کے اس انقلابی اقدام کا شدید احساس تھا۔ علامہ اقبالؒ نے ابوجہل کی زبان سے یوں ادا کیا ؎

در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلامِ خویش ہر یک خواں نشست
قدرِ احرارِ عرب نشناختہ — با کلفتانِ حبش در ساختہ
احمراں با اسوداں آمیختند — آبروئے دودمانے ریختند
ایں مساوات ایں مواخات اعجمی است — خوب می دانم کہ سلمان مزدکی است
ابن عبداللہ فریبش خوردہ است — رستخیزے بر عرب آوردہ است[48]

---

[45] ابن ہشام۔ سیرت النبویہ، ج ۴ ص ۵۴ [46] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب، باب القیام ص ۴۰۳

[47] ایضاً باب المفاخرۃ والعصبیہ ص ۴۱۷ [48] جاوید نامہ ص ۵۹

آپ نے فرمایا:

ان اللہ اوحیٰ الیّ ان تواضعوا حتیٰ لایفخر احد علی احد ولا یبغی احد علیٰ احد[۴۹]

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ عاجزی اختیار کرو تاکہ کوئی شخص کسی پر فخر نہ کر سکے اور نہ کسی پر ظلم کر سکے۔

آنجنابؐ نے ان حقائق پر صرف وعظ نہیں فرمایا، انہیں معاشرتی حقیقت اور انسانی قدر کے طور پر عملی زندگی میں نافذ کیا۔ خود اس کی مثال پیش کی اور مسلم معاشرے کے لیے اس کا اپنانا ضروری قرار دیا۔ آپ کے رفقاء نے اپنی زندگیوں میں اپنایا۔ تاریخ اس مثالی طرزِ عمل کی گواہ ہے۔ خلفائے راشدین کی شاندار مثالیں تاریخ کے اوراق پہ ثبت ہیں۔

سماجی رابطہ | بڑے لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض گوشے بہت مزیّن اور مستحکم اور بعض انتہائی بے رنگ، مصروف زندگی گزارنے والے رہنما بالعموم یک رُخے ہوتے ہیں۔ عابد و زاہد لوگ گوشہ نشینی، ترکِ دنیا اور کنارہ کشی پر عمل کرتے ہیں۔ عوام سے تعلق وقتی اور ہنگامی ہوتا ہے۔ عوامی ربط اور مجلسی آداب سے ان کی زندگی یکسر خالی ہوتی ہے۔ اسی طرح سیاسی جدوجہد کرنے والے عوامی زندگی میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ ان کی خانگی زندگی غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ کسی مشن کے لیے کام کرنے والے افراد میں خاص قسم کی سنجیدگی اور بعض اوقات یبوست بھی آجاتی ہے۔ یُوں بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ ابتداءً خاص مزاج اپناتے ہیں اور بعد میں یہی عادت مردم بیزاری کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ غرض عام رہنماؤں کی زندگی میں ایک عدمِ توازن آ جاتا ہے جس سے بچنا اُن کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ اِس اعتبار سے حضورِ اکرمؐ منفرد نظر آتے ہیں کہ ان کی پُوری زندگی اعتدال و توازن کا بے نظیر نمونہ ہے۔ ایک طرف آپ اتنے بڑے فکری و معاشرتی انقلاب کے داعی اور تاریخ کا رُخ بدلنے والے تھے۔ دوسری جانب گھریلو زندگی کو خوشگوار رکھنے والے، اس سے لُطف اندوز ہونے والے اور شب بیداری کرنے والے تھے۔ نعیم صدیقی کے بقول "آپ عوامی حلقوں سے پُوری طرح مربوط تھے، جماعت اور معاشرہ سے شخصی اور نجی تعلق رکھتے تھے، علیحدگی پسندی، کِبر یا یبوست کا شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت آپ نے جس نظامِ اخوت کی تاسیس فرمائی تھی یہ اس کا اہم تقاضا تھا کہ لوگ باہم گرم رُوبط رہیں، ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں"[۵۰]

---

[۴۹] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاداب، باب المفاخرہ والعصبیہ ص ۴۱۷ - [۵۰] محسنِ انسانیتؐ، ج ۱ ص ۱۱۰

سید سلیمان ندوی حضورؐ کی مختلف حیثیتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"غرض جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لیے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان تمہارے ظلمت خانے کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمدؐ کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے۔ اس لیے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے"[۵۱] حضورؐ کی کامل زندگی کا ایک حصہ آپ کا سماجی ربط ہے۔ آپ ازواج مطہرات کے ساتھ کس طرح خوش و خرم زندگی گزارتے تھے؟ احباب کی محفل میں آپ کا رویہ کیا تھا؟ عام افراد سے اور باہر سے آنے والے وفود سے آپ کس طرح پیش آتے تھے؟ اس کا پورا ریکارڈ حدیث و سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کس قدر کامل انسان ہیں۔

آپ گھر سے نکلتے تو سلام میں ہمیشہ پہل کرتے اور فرماتے کہ سلام میں پہل کرنے والا کبر سے محفوظ ہوتا ہے[۵۲]۔ بچوں کے ساتھ گفتگو فرماتے اور انہیں سلام کہتے[۵۳]۔ بچوں سے پیار بھی کرتے[۵۴]۔ بازار کو ناپسندیدہ جگہ سمجھتے[۵۵] لیکن وہاں جاتے تو ہر ایک کو سلام کہتے تھے[۵۶]۔ انتہائی خوش مزاج تھے اور متبسم رہتے[۵۷]۔ مسکراتے چہرے سے ملتے اور اسے نیکی و شائستگی قرار دیا[۵۸]۔ صحابہؓ کی محفل میں بیٹھتے تو عام آدمی کوئی فرق محسوس نہیں کرتا تھا[۵۹]۔ نماز صبح کے بعد خصوصی مجلس ہوتی تھی[۶۰]۔ اس میں قصے بھی ہوتے اور ہنسی بھی[۶۱]۔ بیماروں کی عیادت کا اہتمام کرتے[۶۲]۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کا وہ مشہور جملہ موجود ہے جو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے وہ جملہ یہ ہے لاباس طهور ان شاء الله[۶۳]۔ مزاح بھی فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ کو "یا ذالاذنین" کہہ کر پکارتے[۶۴]۔ اشعار بھی سنتے انہیں پسند بھی فرمایا۔ لبید کے ایک ایک مصرعے کو اصدق الکلمہ کہا[۶۵]۔

الا کل شیء ماخلا اللہ باطل　　وکل نعیم لامحالۃ زائل

---

۵۱ خطباتِ مدراس ص۱۰۱ ۵۲ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب باب السلام ص۴۰۰ ۵۳ ایضاً ص۳۹۷، ابن ماجہ ج ۲ ص۱۲۲۵
۵۴ مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمہ ص۴۲۱ ۵۵ ایضاً باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ ص۶۸ ۵۶
۵۷ ایضاً باب الضحک ص۴۰۶ ۵۸ جامع ترمذی ۵۹ بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص۱۵ ۶۰ بخاری کتاب المغازی، حدیث کعب بن مالک، ج ۳ ص۶۳ ۶۱ ایضاً ج ۴ ص۲۱۳ باب کلام الرب مع اہل الجنۃ، باب نفقۃ المعسر علی اہلہ ج ۳ ص ۲۰۷ ۶۲ ایضاً کتاب المرضیٰ، باب وجوب عیادۃ المریض ج ۴ ص۳، باب دعاء العائد للمریض ص۶ ۶۳ کتاب المرضیٰ باب عیادۃ الاعراب ۶۴ مشکوٰۃ کتاب الاداب۔ باب المزاح ص۴۱۶ ۶۵ ایضاً باب البیان والشعر ص۴۰۵

رشتہ داروں سے حُسنِ سلوک اور ہمسایوں کا خیال آپ کی تعلیمات کا اہم حصّہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسا لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ۔[۶۶]

جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔

عن انسٍ قال قال رسول اللہ والذی نفسی بیدہ لا یومن عبد حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔[۶۷]

انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ واللہ لا یومن واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل من یارسول اللہ قال الذی لا یومن جارہ بوائقہ۔[۶۸]

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا وہ شخص مومن نہیں، سوال کرنے پر آپ نے جواب دیا وہ جس کی شرارتوں سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں۔

عن جابر بن سمرۃ قال رسول اللہ ما نحل والد ولدہ من نحل افضل من ادب حسن۔[۶۹]

جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کسی والد نے اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ نہیں دیا۔

اس طرح آنجنابؐ کو غیبت، فحش گوئی، عیب چینی، حسد، بغض اور لوگوں کے درمیان عداوت پیدا کرنے سے شدید نفرت تھی۔[۷۰] عبداللہ بن اُبَی کے سلسلے میں مروّت کا جو طریقہ آپ نے اختیار فرمایا تھا وہ ایک مستقل نمونہ ہے۔[۷۱] سماجی زندگی میں دو چیزیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک ایفائے عہد و حسن سلوک دوسرے عفو و درگزر۔ حضورؐ کی زندگی میں یہ دونوں خصوصیات بہت اُبھری ہوئی ہیں۔ حمزہؓ کے قاتل وحشی[۷۲] اور ابوسفیان کی بیوی ہند[۷۳] کے ساتھ آپ کا رویّہ مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ مکّے والوں کو "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ" معاشرتی اور سیاسی زندگی میں

۶۶؎ بخاری، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق لصلتہ الرحم صـ۲۵ ۶۷؎ مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق صـ۴۲۲ ۶۸؎ ایضاً ۶۹؎ ایضاً، باب الاسامی صـ۴۰۷

۷۰؎ ایضاً، باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم صـ۴۱۱، باب ماینھی عنہ من التھاجر والتقاطع واتباع العورات صـ۴۲۷

۷۱؎ بخاری، کتاب الجنائز، باب مایکرہ من الصلوٰۃ علی المنافقین، ج ا صـ۱۶۸، باب الکفن فی القمیص الذی اولا یکف ومن کفن بغیر قمیص صـ۱۵۶ ۷۲؎ بخاری، ج ۳ صـ۱۵، باب قتل حمزہ۔

۷۳؎ ایضاً، کتاب المناقب، باب ذکر ہند بنت عتبہ صـ۶۱۵

سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو آنجنابؐ کی زندگی کے اِس پہلو کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ہمارے لیے حضورؐ کی سیرت میں فکر و عمل کے بے مثال نمونے ہیں۔ بالخصوص ہمارے مذہبی، سیاسی اور سماجی رہنماؤں کو حضورؐ کی حیاتِ طیبہ سے کم از کم مندرجہ ذیل اصول اپنانے چاہییں۔

۱۔ عام سماجی رابطہ جس میں خدمتِ خلق اور ہمدردی و ایثار کا عنصر غالب ہو۔

۲۔ یبوست اور عزلت گزینی سے گریز ہو۔ شگفتہ مزاجی اور صالح مجلسی زندگی کو اپنانا چاہیے۔

۳۔ یک رُخی زندگی کی بجائے حیات کے کامل تصوّر کو اپنایا جائے تاکہ معاشرے کے اندر مغائرت پیدا نہ ہو۔

۴۔ علماء کو اپنے علمی مرکز کو مضبوط رکھتے ہوئے معاشرے کے عام مسائل میں فعّال کردار اختیار کرنا چاہیے۔

۵۔ معاشرے کے دوسرے افراد کو اپنی عملی زندگی کے ساتھ ساتھ علمی حلقوں سے ربط رکھنا چاہیئے تاکہ معاشرے کی ساری قوتیں ہم آہنگ ہو کر کام کریں۔